فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

"تو پوچھ لیا کرو ان سے جو جانتے ہیں، اگر تم نہیں جانتے" (ترجمہ شیخ الہند)

فتاوی یسئلونک

دار الافتاء والارشاد

الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ

شمارہ 79 | جمعۃ المبارک 15 محرم الحرام 1442ھ 04 ستمبر 2020ء

سوال ارسال کرنے کے طریقے

- بالمشافہ: سوالات تحریری صورت میں متعین سوالنامے پر بالمشافہ جمع کروائیں۔
- بذریعہ ویب سائٹ: www.yasalunak.com پر موجود سوالنامے کے ذریعے ارسال کریں۔
- بذریعہ برقی مراسلہ: ask@yasalunak.com پر برقی مراسلے (ای میل) کی صورت میں ارسال کریں۔
- بذریعہ واٹس ایپ: 0333-9206874 پر مکمل نام کے ساتھ واٹس ایپ کریں۔

نوٹ: جوابات/فتاویٰ سوالات موصول ہونے کی ترتیب سے ارسال کیے جاتے ہیں۔

دار الافتاء والارشاد، الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ، فقہ اکیڈمی C-335 بلاک 1، گلستان جوہر، کراچی

سوال: ہم اکثر کہتے ہیں کہ آج کل زمانہ بہت خراب ہے تو یہ لفظ زمانہ نہیں کہنا چاہیے؟ کیونکہ زمانہ اللہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: زمانے کو برا کہنے سے منع کرنے کی وجہ زمانہ جاہلیت کے بعض اعتقادات تھے کہ زمانے میں خیروشر کی جو تبدیلیاں ہوتی ہیں سب زمانے کی وجہ سے ہوتی ہیں یعنی زمانے کے متصرف فی الامور ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اس لیے زمانہ جاہلیت میں جب کسی کو کوئی ناپسندیدہ بات پیش آتی تو وہ زمانے کو گالی دیتا، حالانکہ زمانہ اور اس میں ہونے والے تصرفات سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، تو زمانے کو گالی دے کر گویا وہ حادثات کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتے تھے اور زمانے کو تصرفات امور میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے تو اس اعتقادی خرابی کے باعث منع کیا گیا کہ زمانے کو برا مت کہو۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی کہ زمانے کو برا کہنا درحقیقت زمانے کو پیدا کرنے والے کو برا کہنا ہے اس لیے کہ زمانہ بذات خود کچھ نہیں کرسکتا، بلکہ اس میں ہونے والے تمام تصرفات کے پیچھے اللہ رب العزت کی حکمت کارفرما ہے۔ اس لیے فرمایا زمانہ میں ہوں اس کو برا مت کہو۔

وفی الحدیث الآخر: «لا تسبوا الدهر، فإن الله هو الدهر»، قال الإمام: أما قوله: «فإن الله هو الدهر»: فإن ذلك مجاز، والدهر إن كان عبارة عن تعاقب الليل والنهار واتصالهما سرمداً، فمعلوم أن ذلك كله مخلوق، وأنه أخص أجزاء العالم المخلوقة، ولا يصح أن يكون المخلوق هو الخالق، وإنما المراد أنهم كانوا ينسبون الأفعال لغير الله - سبحانه وتعالى - جهلاً بكونه - عز وجل - خالق كل شیء ويجعلون له شريكاً فی الأفعال، فأنكر عليهم هذا الاعتقاد، وأراد أن الذی يشيرون إليه بأنه يفعل هذه الأفعال، هو الله جلت قدرته ليس هو الدهر [إكمال المعلم بفوائد مسلم، ۷/ ۱۸۳]

(لا تسبوا الدهر، فإن الله هو الدهر) أی أنه تعالى الآتی بالحوادث وذلك أنهم كانوا يضيفون الحوادث إلى الزمان والدهر ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ [الجاثية: ۲۴]. ويسبونه: يا خيبة الدهر وقال المنذری: معنى الحديث أن العرب كانت إذا نزل بأحدهم مكروه يسبوا الدهر ويعتقد أن الذی أصابه فعل الدهر فكان هذا كاللعن للفاعل ولا فاعل لكل شیء إلا الله. (التنوير شرح الجامع الصغير، ۱۱/ ۱۰۴)

سوال: حدیث شریف میں آتا ہے "الدین النصیحۃ" ترجمہ: دین سراسر خیرخواہی کا نام ہے، اس سے آگے ہے: "للہ" "اللہ کے لیے۔ تو کیا اس طرح ترجمہ درست ہے "دین اللہ کے لیے خیر خواہی کا نام ہے" صحیح ترجمہ اور تشریح کیا ہوگی؟

جواب: یہ روایت صحیح مسلم کی ہے: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الدِّينُ النَّصِيحَةُ» قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: «لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین خیرخواہی ہے، ہم (صحابہ کرام) نے عرض کیا کہ کس چیز کے حوالے سے (خیرخواہی ہے)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ، اللہ کی کتاب، اس کے رسول اور عوام وائمہ مسلمین کے حوالے سے (خیرخواہی ہے)"۔

حدیث کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دین کا خیرخواہی ہونا درحقیقت اس بندے ہی کے حق میں مراد ہے جو دین پر عمل پیرا ہے۔ اور لفظی اضافت اللہ، رسول، کتب خداوندی، ائمہ اور عوام مسلمین کی طرف کرنے سے مقصود یہ ہے کہ دین پر عمل پیرا ہونے والا شخص درحقیقت اللہ، رسول، کتب خداوندی، ائمہ اور عوام مسلمین کے حوالے سے خیرخواہانہ تعلیمات سے آراستہ ہوتا ہے کہ اس حوالے سے کیا رویہ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ کے لیے خیرخواہی کا مطلب بندے کا اللہ پر ایمان لانا اور اسے ایک ماننا اور اسے لاشریک سمجھنا ہے۔

قالوا أما النصيحة لله تعالى فمعناها منصرف إلى الإيمان به ونفی الشريك عنه وترك الإلحاد فی صفاته ووصفه بصفات الكمال والجلال كلها وتنزيهه سبحانه وتعالى من جميع النقائص والقيام بطاعته واجتناب معصيته والحب فيه والبغض فيه وموالاة

من أطاعه ومعاداة من عصاه وجهاد من كفر به والاعتراف بنعمته وشكره عليها والإخلاص في جميع الأمور والدعاء إلى جميع الأوصاف المذكورة والحث عليها والتلطف في جميع الناس أو من أمكن منهم عليها قال الخطابي رحمه الله وحقيقة هذه الإضافة راجعة إلى العبد في نصحه نفسه فالله تعالى غني عن نصح الناصح. (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة)

اور چونکہ اس میں خیر خواہی کی نسبت میں عموم ہے، اس لیے اس کے ترجمہ کو خاص کرنا مناسب نہیں ہوگا، بلکہ ترجمے کو مطلق رکھا جائے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے انسان کی روح پھونکے جانے کے بعد اس کا شقی ہونا یا سعید ہونا لکھ دیا جاتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اور اسی دوسری حدیث میں ہے کہ بندہ عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ نوشتہ تقدیر اس پر غالب آجاتا ہے، اس کی کیا تشریح ہے؟

جواب: صحیح بخاری میں ہے: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيُكْتَبُ عَمَلُهُ وَأَجَلُهُ وَرِزْقُهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم صلوات الله عليه وذريته)

ترجمہ: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ (جو سراپا سچے ہیں) نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز رہتا ہے، پھر وہ جما ہوا خون بنتا ہے، پھر وہ اسی طرح گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف چار چیزیں دے کر ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو اس کے اعمال، مدت، اس کا رزق اور اس کا نیک یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، چنانچہ وہ آدمی (جس کا بد بخت ہونا لکھا جاتا ہے) جنتیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ جہنمیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے اور آخر کار جہنم ہی میں داخل ہوتا ہے“۔

اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کائنات کے ہر ایک ذرے کے بارے میں مکمل معلومات ہیں اور ان ہی معلومات کے مطابق اللہ نے فیصلہ بھی کر دیا ہے۔ اسی طرح انسان کا نیک بخت و بد بخت ہونا بھی اللہ کے علم ازلی میں ہے اور اس کے مطابق اللہ کا فیصلہ بھی انسان کے اعمال سے پہلے ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر خواہ انسان اللہ کے علم اور فیصلہ کے خلاف اپنے اختیار سے جتنے بھی اعمال کا ارتکاب کرتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اپنے اختیار سے اسی طرح کے اعمال کرنے لگتا ہے جو اللہ کے علم ازلی میں اس کے بارے میں متعین ہو چکے ہیں۔ اس معنی کو حدیث میں کتاب کا سبقت لے جانا فرمایا گیا ہے۔

سوال: رزق حلال کمانا فرض ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ حرام کماتے ہیں وہ ہم سے مالی طور پر بہت آگے نکل جاتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ رزق حلال میں برکت ہوتی ہے، جبکہ رزق حلال کمانے والوں کو کبھی فاقے سے گزرنا پڑتا ہے تو کبھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی مختلف مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ دنیا میں بندے کے آنے سے پہلے اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بتائیے کہ یہ تضاد کیوں ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے: عن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «طلب الحلال فريضة بعد الفريضة».

المعجم الكبير للطبراني (۱۰/ ۷۴)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا رزق حلال کی تلاش فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فرائض خمسہ ایمان، نماز، روزہ، زکوۃ، حج لازم کیے ہیں ان کے بعد اہم ترین فرض رزق حلال کی تلاش ہے رزق

کی تلاش انسان کی طبیعت میں شامل ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور اختیار کرتا ہے اس لیے اللہ تعالی نے رزق کے تلاش کی ترغیب نہیں بلکہ حلال کی ترغیب دی کہ وہ رزق کے حصول کے لیے کوئی غلط راستہ نہ چن لے۔ اسی طرح رزق حلال میں برکت ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مال زیادہ ہوجائے، بلکہ برکت کا مطلب ہے کہ کم مال سے زیادہ ضروریات پوری ہوں اور انسان دلی طور پر اطمینان اور سکون میں ہو، اس کو دین پر چلنے کی توفیق ملے۔ جہاں تک دنیاوی مصائب کا تعلق ہے اس کی مختلف حکمتیں ہیں مثلاً اس کی برکت سے گناہوں کا معاف ہونا اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے درجات کا بلند ہونا وغیرہ۔

التنوير شرح الجامع الصغير (۷/۱۳۵)

(طلب الحلال) من الرزق وفيه احتمال يأتي. (فريضة) أي واجب بإيجاب الله تعالى، قيل: وإنما لم يحث تعالى على طلب الرزق، لأنه قد خلق في النفوس وازعاً قوياً على ذلك وجبل الطباع عليه. (بعد الفريضة) قيل: واجب طلبه بعد أداء الفرائض الخمس فهي أهم منه، والظاهر أعم من ذلك، وأنه لم يرد بالبعدية إلا دفع توهم، أنه تقدم على الفرائض التي أمر العبد فإنه لو أطلق عن القيد ربما آثرت النفوس طلب الرزق على غيره من الفرائض لأنها تنضم فرضيته إلى ما في النفوس من الحرص عليه والداعي القوي إلى طلبه مقيد بذلك لدفع هذا.

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيُكْتَبُ عَمَلُهُ وَأَجَلُهُ وَرِزْقُهُ وَشَقِيٌّ، أَوْ سَعِيدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم صلوات الله عليه وذريته)

ترجمہ: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ (جو سراپا سچے ہیں) نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز رہتا ہے، پھر وہ جما ہوا خون بنتا ہے، پھر وہ اسی طرح گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالی اس کی طرف چار چیزیں دے کر ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو اس کے اعمال، مدت، اس کا رزق اور اس کا نیک یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، چنانچہ وہ آدمی (جس کا بد بخت ہونا لکھا جاتا ہے) جنتیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ جہنمیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے اور آخر کار جہنم ہی میں داخل ہوتا ہے''۔

یعنی انسان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے اور یہ اللہ کے علم میں ہے کہ کس کو کتنا رزق ملے گا اور اللہ نے جس کے لیے جتنا رزق متعین فرمادیا اس کو اتنا ہی ملے گا چاہے وہ اس میں زیادتی کے لیے کوئی بھی راستہ اختیار کرے، تو جب اللہ تعالی کے متعین کردہ رزق سے زیادہ کسی کو نہیں ملتا تو مال کمانے میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -:

«أيها الناس، اتقوا الله وأجملوا في الطلب، فإن نفسا لن تموت حتى تستوفي رزقها، وإن أبطأ عنها، فاتقوا الله وأجملوا في الطلب، خذوا ما حل، ودعوا ما حرم (سنن ابن ماجه ت الأرنؤوط (۳/۲۷۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (رزق) طلب کرو کیونکہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق پورا پورا وصول نہ کرلے اگرچہ وہ رزق اس کو دیر سے ملے اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (رزق) طلب کرو جو حلال ہے اس کو لے لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔

ختم شد